التقریظ والانتقاد

"جامع المجددین"

از

(سعید احمد)

(۶)

اسی مقام پر حضرت مجدد الف ثانی حدیث قرطاس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عمرؓ نے جو یہ فرمایا تھا کہ ہمارے لئے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کافی ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں مبتلا ہیں اور وحی کی آمد منقطع ہوگئی ہے اس بنا پر اس وقت آپ جو کچھ لکھیں گے وہ اپنی رائے سے لکھیں گے اور آپ کی رائے کا اتباع ہمارے اوپر واجب نہیں ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی زبان سے جو بعض نا ملائم الفاظ نکل گئے تھے تو اس کا منشا بھی درحقیقت اس بات پر تعجب کا اظہار تھا کہ اب جب کہ وحی کی آمد ورفت ختم ہوچکی ہے تو پھر آپ یہ کیا فرماتے ہیں کہ کاغذ لاؤ اور میری طرف سے لکھو۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ کو شبہ ہوا کہ مبادا یہ ارشاد مرض کے اشتداد کی وجہ سے ہو۔

حضرت مجدد کے اس ارشاد سے یہ بات بالکل صاف معلوم ہوتی ہے کہ جن معاملات ومسائل کے متعلق صاف صاف کوئی وحی موجود نہیں ہے علماء کو ان کے بارہ میں اجتہاد کا حق ہوگا اور پھر جس مجتہد کی جو رائے ہوگی اس کا اس پر عمل کرنا بھی درست ہوگا۔ کسی ایک مجتہد کو یہ حق ہرگز نہیں ہوگا کہ اس نے خود کسی معاملہ کی نسبت جو رائے قایم کی ہے وہ اسی کو عین دین قرار دے اور دوسرے مجتہد کو بے دینی یا اسلام سے انحراف کا الزام دے۔ پھر زیر بحث معاملہ میں تو اجتہاد کسی ایک شخص یا کسی ایک عالم کا نہیں ہے بلکہ

علمائے کرام کی ایک پوری جماعت کا ہے اور علما بھی وہ جن کی امانت و دیانت ایک دشمن کے لئے بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ دین کے کسی معاملہ میں مداہنت نہیں دکھا سکتے۔ جمعیۃ علمائے ہند کی پالیسی سے من حیث الکل یا جزی طور پر پہلے بھی اختلاف ہو سکتا تھا اور اب بھی ہو سکتا ہے اور خود راقم الحروف کو بعض موجودہ مسائل و معاملات میں جمعیۃ کی پالیسی سے اختلاف ہے لیکن اس کے معنی یہ تو ہرگز نہیں ہیں کہ علمائے حق کی اتنی بڑی جماعت کا جو فعل اپنے یا اپنے پیر کے مسلک "راحت لیبندی" کے خلاف ہو اس کو جھٹ لادینی عمل اور غیر اسلامی فعل کہہ دیا جائے اس کا مطلب تو پھیر پھیر کر وہ ہی ہوتا ہے کہ اسلام بس صرف وہ ہے جو آپ کا یا آپ کے مرشد کا عمل ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے کفر و ضلال ہے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ صرف اسی مقام پر نہیں بلکہ کتاب میں ہر جگہ جامع المجددین کے مؤلف کا رویہ یہی رہا ہے جو اسلام کو غلط سمجھنے اور اپنے متعلق خوش فہمی کا نتیجہ ہے اور یہی وہ نقطۂ نظر ہے جس نے اسلام ایسے دینِ فطرت کو ایک نہایت بے جان و بے حس اور مردہ و ناکارہ "خانقاہیت" میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔

حکومت و سیاست | اوپر بتایا جا چکا ہے کہ حکومت و سیاست کا تعلق بھی امورِ دنیا سے ہے اس بنا پر یہ بھی "انتم اعلم بامور دنیاکم" میں داخل ہے یعنی اس سلسلہ میں چند اصول وحی کے ذریعہ بتا دئے گئے ہیں بس ان کی روشنی میں ہر دور کے علمار کو حق ہوگا کہ نئے نئے معاملات و مسائل کے بارہ میں اجتہاد کریں اور مسلمانوں کی یا حکومت کی رہنمائی کریں۔ مسئلہ زیر بحث یعنی حکومت کے سیکولرزم کی تائید بھی اسی قسم کا ایک بالکل نیا اور ایسا معاملہ ہے جس کی نسبت قرآن یا حدیث میں صاف صراحت کے ساتھ کوئی حکم نہیں مل سکتا اس بنا پر علما کو لامحالہ اس باب میں اجتہاد کرنا ہوگا۔ اجتہاد کرتے وقت بنیادی طور پر جو چند سامنے رکھنے ہوں گے وہ یہ ہیں

(۱) اسلامی شعائر و عبادات کو بالکل آزاد رہنا چاہئے!

(۲) مسلمانوں کو باعزت زندگی بسر کرنے کے مواقع ملنے چاہئیں۔

(۳) اگر دو چیزوں میں تضاد یا کشمکش پیدا ہو جائے تو "اذا ابتلی احدکم ببلیتین فلیختر اھونھما"

کے اصول کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

ان اصول کی روشنی میں غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اسی میں ہے کہ یہاں کی حکومت سیکولر ہو یہ واضح رہنا چاہئے کہ سیکولر گورنمنٹ جس کا ترجمہ اردو میں لادینی حکومت کیا جاتا ہے بعض لوگ بار بار کی تصریح کے باوجود اب تک اس کا مطلب خلاف مذہب گورنمنٹ سمجھتے ہیں حالانکہ سیکولر گورنمنٹ کے معنی صرف یہ ہیں کہ یہ حکومت کسی خاص مذہبی فرقہ کی نہیں ہوگی بلکہ ملک کے سب باشندوں کی ہوگی جو مختلف مذاہب و عقائد کے لوگ ہیں اس بنا پر یہ حکومت تمام مذاہب کے ساتھ یکساں معاملہ کرے گی اور کبھی کسی کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک روا نہ رکھے گی۔ چنانچہ ملک کے لئے جو دستور وضع ہو کر منظور کیا گیا وہ بھی سیکولرزم کے مذکورۂ بالا تعریف کی تائید کرتا ہے۔

غور کیجیے! اگر ملک میں سیکولر گورنمنٹ نہ ہوتی تو لامحالہ ہندو گورنمنٹ ہوتی۔ کیونکہ لادینی حکومت کی نقیض دینی حکومت ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں اسلامی حکومت کا تو کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اگر ایسا ہوتا تو مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہوتی؟ کسی مملکت کے باشندے تین میں سے کسی ایک ہی قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں یا وہ (۱) شہری (citizens) ہوں گے۔ (۲) یا اجنبی (Foreigners) یا (۳) رعایا (subjects) اگر یہاں ہندو گورنمنٹ قائم ہوتی تو اس کے صاف معنی یہ ہوتے کہ یہ ملک ہندوؤں کا ہے اور انھیں کی حکومت ہے اس بنا پر مسلمانوں کی پوزیشن اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ خود اپنے وطن میں یا اجنبی ہو کر رہتے جس طرح یہاں اور دوسرے ملکوں کے لوگ رہتے ہیں اور یا رعایا بن کر رہتے۔ بہرحال شہری ہرگز نہیں ہو سکتے تھے مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ممکن تھا کہ مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت اسی طرح کی جاتی جس طرح کہ خود شہریوں کے جان و مال کی کی جاتی ہے لیکن پھر سوال یہ ہوتا کہ اچھا اگر ہندوستان کے مسلمان اس ملک کے شہری نہیں ہیں تو پھر آخر کس ملک کے ہیں؟ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو لقمہ بطور حق ملتا ہے وہ کہیں زیادہ قیمتی ہوتا ہے بہ نسبت اس لقمہ کے جو خیرات و صدقات کے طور پر دیا گیا ہو اجنبی یا

رعایا ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو سب کچھ مل سکتا تھا لیکن جو کچھ ملتا بہ طور حق نہیں بلکہ محض تبرع و احسان
کی راہ سے ملتا۔ اس کے برخلاف اب جبکہ گورنمنٹ سیکولر ہے یہاں کے مسلمان بھی اس ملک کے ایسے
ہی شہری ہیں جیسے کہ ہندو! اور اس حیثیت سے یہاں ان کو وہی حقوق حاصل ہیں جو ہندوؤں کو ہیں
اس میں شبہ نہیں کہ مختلف اسباب و عوارض کی وجہ سے جن میں تھوڑا بہت دخل خود مسلمانوں کی گذشتہ
سیاست کو بھی ہے یہ گورنمنٹ اب تک عملاً سیکولر نہیں ہو سکی ہے لیکن سوال صرف نصب العین کا یا
حکومت کی صحیح شکل و اسلوب کا ہے۔ اگر سیکولرزم بحیثیت ایک نصب العین کے درست ہے اور
اس کا فائدہ ہر ایک کو پہنچتا ہے تو اسے بے شبہ قبول کر لینا چاہئے! رہی اس کی عملی تشکیل! تو ہر شہری
کا فرض ہے کہ اس راہ کی جو دشواریاں ہیں ان کو رفع کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام عنوان کا پابند نہیں وہ معنون کو دیکھتا ہے اسے اسم اور رسم سے غرض
نہیں وہ حقیقت اور اصل مقصد کو سامنے رکھتا ہے۔ بعض لوگ جن کے نزدیک عنوان پرستی اور رسم ترویجی
ہی دین یا غیر دین ہے سیکولر گورنمنٹ سے اس لئے گھبراتے ہیں کہ اس کے ترجمہ میں "لادینی" کا لفظ آتا
ہے انھیں اس سے سروکار نہیں کہ اصل معنی اور حقیقت کے اعتبار سے سیکولرزم کی صورت میں مسلمان
اس ملک کا شہری اور شریک حکومت بن جاتا ہے اور حکومت "دینی" ہو تو اس کی حیثیت رعایا یا
اجانب کی ہو جاتی ہے۔ اب بتایئے جمعیۃ علمائے ہند اگر اس ملک کی سیکولر گورنمنٹ کی تائید کرتی ہے تو
کون سا گناہ کرتی ہے حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان خود اپنی سیاست کے صدقہ
میں شدید اقلیت میں رہ گئے ہوں اور جس کے دو ٹکڑے کرا کر انھوں نے ایک ٹکڑہ میں "اسلامی حکومت"
بھی قایم کرا دی ہو۔ اسلامی شعائر و عبادات کی آزادی قائم رکھنے اور مسلمانوں کے لئے باعزت زندگی بسر
کرنے کی شکل و تدبیر اس سے بہتر کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی کہ اس ملک کا نظام حکومت سیکولر ہو۔

خیر یہ نہ ہو تو اتنا اور عرض کر دیا جائے کہ سیکولرزم کے اس قدر روشن اور جلی فوائد کے باوجود آخر
مدرس سے چڑتے کیوں ہیں کہ غیظ و غضب کے باعث جمعیۃ کا منہ تک چڑانے لگے ہیں کہیں اس
کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ جب آپ نے مذہب اور قرآن کا نام لے لے کر اور ان دونوں کو اپنے اغراض و اہداف کا

آا نکار بنا کر اس ملک کے دو ٹکڑے کرا لئے اور ایک حصہ میں دینی حکومت قایم بھی کرا دی تو اب ہندوستان میں سیکولر گورنمنٹ کے قیام و اعلان کو آپ اپنی زبردست اخلاقی شکست تصور فرماتے ہیں اور آپ کو ندامت سی ہوتی ہے۔ علاوہ بریں ایک بات یہ بھی ہے آپ جانتے ہیں کہ اگر آج ملک میں سیکولر گورنمنٹ قایم ہے اور اس کے ماتحت مسلمانوں کو برابر کے شہری حقوق ملے ہوئے ہیں تو اس کا واحد سبب یہ ہے کہ جمعیۃ علمائے ہند نے مسلمانوں کو جنگ آزادی میں ہندوؤں کے دوش بدوش رکھا ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج یہی ہوتا کہ جب ایک جگہ مسلمانوں کی حکومت ہے اور دینی گورنمنٹ ہے تو دوسری جگہ لازمی طور پر ہندوؤں کی حکومت ہوتی غرض کہ گذشتہ گناہوں اور جرموں کا یہ اندرونی احساس اور اپنی اخلاقی شکست کے زخموں کی یہ ٹیس ہے جو آپکو سیکولرزم کی تائید کا مذاق اڑانے پر اکساتی ہے اور کبھی اس پر آمادہ کرتی م

م یہ ہے کہ گاندھی جی کو خط لکھ کر ان سے ہندو گورنمنٹ قایم کرانے کی تحریک کی جائے گویا خود مہاسبھائی ہندو جسے پسند نہیں کرتے ایک فرزند توحید ان کو اس پر آمادہ کرے!

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی!!

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا۔ اس سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ سیکولرزم عین تعلیمات اسلام کے مطابق اور ان اصول کے ماتحت ہے جو حکومت و سیاست کے سلسلہ میں شارع علیہ السلام نے عطا فرمائے ہیں اس بنا پر جمعیۃ العلما کا اس کو قبول کر لینا اور اس کی تائید کرنا کسی کی نقالی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ خود اسلام کی تعلیمات اس کی متقاضی ہیں!!

سیاست سے علیحدگی | اب رہا دوسرا اعتراض یعنی جمعیۃ کا سیاست سے علیحدگی کا اعلان! تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس غلط فہمی کو دور کر دینا چاہئے جو مولانا عبد الباری کے اس فقرہ سے پیدا ہوتی ہے کہ جمعیۃ تو وجود میں ہی آئی تھی حکومت اور سیاست کے لئے" ہر شخص جانتا ہے کہ اس جمعیۃ کی بنیاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھی اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ جمعیۃ ہے ہی علماء کی ایک جماعت! دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جمعیۃ ان لوگوں کی ایک جماعت ہے جن کو دین کے علاوہ کسی اور چیز سے واسطہ نہیں دنیا کی حکومت اور سیاست سے ان کا کیا تعلق! اگر مولانا عبد الباری اس خطبہ کو پڑھ لیتے جو حضرت شیخ الہند نے جمعیۃ کے پہلے اجلاس میں ارشاد فرمایا تھا ان اغراض و مقاصد کو ملاحظہ فرما لیتے جو جمعیۃ کے لئے طے کئے گئے تھے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ جمعیۃ کے وجود میں نے کا اصل مقصد دین کی حفاظت۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ تھا اور چونکہ ان مقاصد

کے حصول کے لئے انگریزوں کے اقتدار کا اس ملک سے خاتمہ کرنا ضروری تھا اس بنا پر علما کو ان تمام تحریکات میں عملی حصہ لینا پڑا جن کا مقصد ملک کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانا تھا یہ ایک وہ نکتہ ہے جس کو صرف ارباب عزیمت و دعوت ہی سمجھ سکتے ہیں ان کے برخلاف وہ لوگ جن کے نزدیک دین کامل یہ ہو کہ جوانی بھر خوب دنیا کماؤ اور جب کسی کام کے نہ رہو تو تسبیح لے کر بیٹھ جاؤ اور اپنے سوا ہر شخص پر فقرے کستے رہو وہ تہی مائگان قسمت تو اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے کہ تحریک آزادی میں شرکت دین کے تحفظ کے لئے کیوں ضروری تھی اور یہ فعل کیوں کر سیاسی نہیں دینی تھا

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں؟

حضرت عمرؓ کی نسبت ایک روایت ہے[1] کہ آپ نے ایک مرتبہ آج کل کے عام صوفیا کی طرح سر پر چادر ڈالی اور مراقبہ کی سی شکل بنا کر گردن جھکا کر بیٹھ گئے اس کے بعد منہ کھول کر فرمایا "لیس ھذا الاسلام لیس ھذا" یہ اسلام نہیں ہے بعد ازاں آپ گردن اونچی کرتے سینہ تان لیتے چہرہ پر تمتماہٹ اور آنکھوں میں شجاعت و بہادری کی چمک پیدا کرتے اور اپنے مونڈھوں کو حرکت دے کر فرماتے ھذا ھو الاسلام "اسلام تو یہ ہے حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس روایت کو اکثر بڑا مزہ لے کر بیان فرماتے تھے۔ اور کبھی کبھی حضرت شیخ الہندؒ کا یہ فقرہ بھی نقل کرتے تھے کہ لوگ نماز روزہ کو بھی اسلام سمجھتے ہیں حالانکہ فقط نماز روزہ تو جولاہے کی لونڈیا بھی کر سکتی ہے۔

بہر حال یاد رکھنا چاہیے کہ جمعیۃ کا اصل مقصد وجود خالص دینی اور شرعی ہے اور چونکہ دین سیاست پر بھی مشتمل ہے اس بنا پر جمعیۃ کے جو بظاہر سیاسی کام ہیں وہ بھی دراصل اپنی غرض و غایت اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے دینی ہی ہیں۔

اسی تقریر سے اصل اعتراض کا جواب بھی ہاتھ آجاتا ہے یعنی جب جمعیۃ کے کاموں کا مقصد مسلمانوں کی فلاح و بہبود ہے تو حالات کے تغیر و تبدل کے ساتھ بہت ممکن ہے کہ پالیسی میں تبدیلی پیدا ہو اور اس کی وجہ سے بعض ان چیزوں کو ترک کرنا پڑے جنھیں کہ کل تک اختیار کر رکھا تھا۔

---

[1] یہ روایت کہاں ہے؟ مجھے نہیں معلوم لیکن حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی زبانی میں نے اس کو متعدد مجلسوں میں کئی بار سنا ہے

چنانچہ جس چیز کو آپ ترکِ سیاست کہتے ہیں اس کی حقیقت بھی صرف اسی قدر ہے ۔ اے کاش ہمارے مکرم مولانا عبدالباری کو معلوم ہوتا کہ کبھی ترکِ سیاست ہی عین سیاست ہوتا ہے اور آپ اس کو حقائق کی روشنی میں قابلِ اعتراض قرار نہیں دے سکتے ۔

علاوہ بریں یہ بھی تو معلوم کرنا چاہئے کہ جمعیۃ نے سیاست سے علیحدگی کا جو اعلان کیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے ؟ ظاہر ہے کہ حصولِ آزادی سے قبل جمعیۃ کے جو سیاسی کام تھے وہ تحریکِ آزادی میں حصہ لینے اور اس معاملہ میں مسلمانوں کی رہنمائی کرنے کے سوا کچھ اور نہ تھے الکشن میں جمعیۃ جو حصہ لیتی تھی وہ بھی صرف اسی غرض کے ماتحت وہ جانتی تھی کہ ملک کی سب سے بڑی حریت طلب جماعت کانگرس ہے اس بنا پر انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کی غرض سے وہ ضروری سمجھتی تھی کہ کانگرس کے ساتھ تعاون کیا جائے ۔ بس یہ حقیقت تھی جمعیت کے سیاسی کام کرنے کی ! اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جونہی ملک آزاد ہوا اور انگریز اپنا رختِ سفر باندھ کر یہاں سے روانہ ہوا جمعیت کی یہ حیثیت خود بخود ختم ہوگئی اور اب ضرورت تھی کہ از سرِ نو اس پر غور کیا جائے آئندہ جمعیۃ کا میدانِ عمل کیا رہے گا اور وہ کن کن امور میں مسلمانوں کی رہنمائی کرے گی ؟ چنانچہ جدید حالات ۔ نیا ماحول ۔ نئی فضا ان تمام چیزوں پر دیدہ وری کے ساتھ غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ جمعیۃ کے کام صرف مذہبی اور ثقافتی امور تک محدود رہیں گے اور اس کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا ! یعنی مسلمانوں کو سیاسی حیثیت سے ملک کی کس پارٹی کا ساتھ دینا چاہئے جمعیت اس کے متعلق مسلمانوں سے بہ حیثیت جماعت کچھ نہ کہے گی ۔ ہر مسلمان کو پوری آزادی ہوگی کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق ملک کی جس پارٹی کا چاہے ساتھ دے اور اس کے ساتھ مل کر کام کرے اور نہ خود جمعیت بحیثیت ایک جماعت کے سیاسی امور مثلاً الکشن وغیرہ میں حصہ لے گی ۔ اگر انصاف اور دیانت داری کے ساتھ دیکھا جائے تو اس سے بڑھ کر درست اور حق بجانب کوئی دوسرا فیصلہ ہو نہیں سکتا تھا ملک جن حالات میں آزاد ہوا انھوں نے یہاں کے زمین و آسمان کو یکسر منقلب کر دیا تھا اور اب حالات یہ تھے کہ کم از کم مسلمان ایسی اقلیت کے لئے فرقہ وارانہ سیاست کی راہ میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا ہندوستان ایسے ملک میں جہاں اقلیتیں غیر موثر اقلیتیں ہوں کوئی اقلیت فرقہ وارانہ بنیاد پر اپنی ڈیڑھ

اینٹ کی الگ مسجد بنا کر بیٹھ نہیں سکتی اس طرح کہ ملک میں اقلیتوں کا فائدہ اسی میں ہے کہ ملک میں متحدہ قومیت کا احساس پیدا کرایا جائے اور فرقہ وارانہ سیاست کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے کیونکہ اگر اقلیتیں فرقہ وارانہ بنیاد پر کوئی کام کریں گی تو اس کا ردعمل لازمی طور پر اکثریت پر بھی ہوگا اور چونکہ اکثریت بہر حال اکثریت ہے اس بنا پر اگر اقلیت کی ضد میں وہ فرقہ وارانہ طرز سیاست کو اختیار کر بیٹھی تو اس کا نتیجہ اقلیت کی ناکامی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اگر جمعیۃ یا کوئی اور اقلیتی جماعت فرقہ وارانہ سیاست کو قائم رکھتی تو اس کی ضد میں ہندو مہا سبھا یا اکثریت کے فرقہ کی کسی اور فرقہ وارانہ جماعت کو موقع ملتا کہ وہ اپنی سرگرمیوں کو تیز تر کریں اور اپنے فرقہ کے لوگوں کو اقلیت کے حزب مخالف کی عداوت و دشمنی پر آمادہ کریں اور ان کے خلاف اکثریتی فرقہ کے افراد کے جذبات کو برانگیختہ کریں گذشتہ الکشن میں آپ دیکھتے ہیں ہندوؤں کی فرقہ وارانہ جماعتوں کو ذرا کامیابی نہیں ہوئی! اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں میں کوئی جماعت (مدراس اور بمبئی کو چھوڑ کر اور وہاں بھی جو حشر ہوا ظاہر ہے) ایسی نہیں تھی جس نے فرقہ وارانہ سیاست کی بنیاد پر الکشن میں حصہ لیا ہو۔ اس لئے اب اگر ہندو مہاسبھا مسلمان امیدوار کے خلاف کچھ کہے بھی تو کیوں کر کہے اور کیا کہے اور اگر کہے بھی تو اس سے وہ اشتعال کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے جو الکشن میں کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔

اس بنا پر حق یہ ہے کہ گذشتہ الکشن کا بخیر و خوبی ختم ہو جانا ایک بڑی حد تک نتیجہ ہے اس کا کہ مسلمان بحیثیت مجموعی جمعیۃ علمائے ہند کی رہنمائی کے مطابق فرقہ وارانہ سیاست سے بالکل الگ رہے ورنہ ٹکراؤ لازمی تھا اور جب ٹکراؤ ہوتا تو ظاہر ہے کہ اس کا سب سے زیادہ شدید نقصان کس کو پہنچتا! بس اب اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ جمعیۃ نے سیاسیات سے علیحدگی کا جو اعلان کیا ہے وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے اسلام اور مسلمانوں کے عظیم فائدہ پر اور حالات کی صحیح نباضی و مصلحت شناسی پر مبنی ہے کا باعث دین و سیاست میں وہ تفریق نہیں ہے جس کا الزام جامع المجددین کے مؤلف محترم نے کسی ایک عالم پر بلکہ علمائے ہند کی پوری جماعت پر لگایا ہے!!

اس الزام کے جواب میں ہم صرف اسی قدر لکھنے پر کفایت کرتے ہیں۔ ورنہ ہم یہ بھی دریافت

کر سکتے تھے کہ اچھا ذرا یہ تو ارشاد فرمائیے کہ آپ اور آپ کے پیرو مرشد جو یہ فرماتے ہیں کہ "دین اور سیاست میں کوئی فرق نہیں ہے! تو آخر اس سیاست سے آپ کی مراد کیا ہے! اور خود آپ کی سیاست کیا رہی ہے؟ اور اس سیاست نے ہندوستان کے مسلمانوں کی کس قدر عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں اور اسلام کو کیا کچھ فائدہ پہنچایا ہے۔

(باقی آئندہ)

غلامانِ اسلام

اسّی کے قریب ان صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہا اور محدثین اور اربابِ کشف و کرامات اور اصحابِ علم و ادب کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و تدقیق سے جمع کئے گئے ہیں جنہوں نے غلام یا آزاد کردہ غلام ہونے کے باوجود ملت کی عظیم الشان خدمتیں انجام دیں جنہیں اسلامی سوسائٹی کے ہر دور میں عظمت و اقتدار کا فلک الافلاک سمجھا گیا اور جن کے علمی، مذہبی، تاریخی اور سماجی کارنامے اس قدر شاندار اور اس قدر روشن ہیں کہ ان کی غلامی پر آزادی کو رشک کرنے کا حق ہے اور بجا ہے۔ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی محققانہ، دلچسپ اور معلومات سے بھرپور کتاب اس موضوع پر اب تک کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی اس کے مطالعہ سے غلامانِ اسلام کے حیرت انگیز اور شاندار کارناموں کا نقشہ آنکھوں میں سما جاتا ہے دوسرا ایڈیشن صفحات ۴۸۰ بڑی تقطیع قیمت پانچ روپے آٹھ آنے مجلد ۶۔

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶